جناب سید اختیار جعفری صاحب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فن شعر

فاطر فطرت نے نفس انسانی کی اصلاح اور ارتقاء کے لیے جو بمقتضائے وقت اور مقام رہنما بھیجے ان کو ایک نظام اور اس نظام عمل کی تعمیل کے ذرائع بھی دیئے ۔ تاکہ اس سے مخالف قوتوں کو دبا سکیں ۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ دیا گیا کہ وہ اپنے عصا کو چلتا پھرتا اژدہا بنادیں اور جادوگروں کی آنکھیں کھولیں ۔ یہ اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو اور جادوگروں کا بہت زور تھا جو رسی اور لکڑی کو سانپ ظاہر کر کے دکھا سکتے تھے ۔ دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جالینوس کے اصول طب پر بڑا ناز کیا جاتا تھا ، جس سے خدا فروشی اور مادہ پرستی عام ہو چلی تھی ، اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسا روحانی معجزہ ملا کہ وہ بیماروں کو صرف چھو کر اور مردوں کو دو حرف کہہ کر زندہ کر سکتے تھے ۔

پیغمبر عالم اور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کہانت اور شاعری کا بڑا زور تھا ۔ خاص طور پر شعراء عرب کو اپنی فصاحت وبلاغت پر اتنا غرور تھا کہ وہ اپنے مقابلے میں دیگر تمام ممالک کو عجم (گونگا) کہتے تھے ۔ بعض کو تو یہ زعم تھا کہ ان جیسے شعر کہنا ناممکن ہے ۔ چنانچہ سات قصیدہ کعبۃ اللہ کے دروازے پر اسی دعویٰ سے لٹکائے گئے تھے ایسے زمانہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن سنانا شروع کیا تو فصاحت وبلاغت اور جامعیت دیکھ کر دنگ رہ گئے ۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ وہ نہ اس کو شعر کہہ سکتے تھے ، اس لیے کہ اس کا انداز بیان شعراء کے اصول موضوعہ کے مطابق نہ تھا ۔ نہ یہ ممکن تھا کہ اس کو شعر نہ کہیں ، اس لیے کہ الفاظ اور معانی کا حسن ، ترتیب کلمات کی متانت ، ہم قافیہ جملوں کا تواتر ، تشبیہ ، کنایہ ، استعارہ اور تمثیل کی دل کشی ، حقائق وجذبات کا اہتمام غرض ان کے مسلمات کے مطابق جو امور کسی کلام کو شعر بنا سکتے ہیں ۔ بجز ایک مفروضہ وزن کے وہ سبھی اس میں موجود تھے اور اعلیٰ درجے کے نمونے موجود تھے بلکہ کہیں کہیں حتفرق جملے انتہائی موزونیت کے ساتھ بھی موجود تھے ۔ ان میں بھی سب سے اہم بات یہ کہ ہر بات تاثیر میں ڈوبی ہوئی تھی ۔ ساتھ ہی جو پیشین گوئیاں کی جاتی تھیں وہ بھی بالکل صحیح ثابت ہوتی تھیں ۔ اس لیے سب نے آپ کا اعجاز کلام تسلیم کرلیا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

کاہن اور شاعر کہنے پر مجبور ہوئے۔

کاہن اور شاعر :- کہانت اور شاعری ان میں معیوب نہ تھی، بلکہ موجب فخر سمجھی جاتی تھی، لیکن چونکہ اعجاز نبوت کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کو (نعوذباللہ) کاہن اور شاعر کہتے تھے۔ اس لیے اس فریب کو بھی قرآن نے توڑ دیا اور کہانت تو کہانت آپ کی ذات سے شعر کی بھی نفی کردی اور کاہنوں اور شاعروں پر اس طرح تنقید کردی " یہ کاہن تو باتیں اڑالیتے ہیں۔ ادھر ادھر کی باتیں سن کر یا اپنی معلومات پر قیاس کرکے پیشین گوئی کرتے ہیں اور غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں "۔

" ناقابل اعتبار اور بدکار ہوتے ہیں اور اکثر ان میں سے جھوٹے ہوتے ہیں " اور شاعروں کو گمراہوں کا پیشوا قرار دے کر ارشاد فرمایا " یہ ہر میدان میں بھٹکتے پھرتے ہیں، ہر قسم کی اچھی بری بات کے پیچھے لگے رہتے ہیں اور بیشتر جھوٹ اور مبالغے سے کام لیتے ہیں " " جو کہتے ہیں، کرتے نہیں "۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمادیا کہ ہر شاعر اس حکم میں داخل نہیں۔ جو صاحب ایمان اور نکوکار ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں "۔ مختصر یہ کہ نہ کاہنوں کی قیاس آرائی کو احکام نبوت سے کوئی نسبت ہے نہ شاعرانہ موہومات اور واہی تباہی باتیں حقائق اور مکارم اخلاق کا مقابلہ کرسکتی ہیں۔ لیکن مخالفین یہی سمجھتے تھے کہ ایسی حیرت انگیز باتیں کرنے والا یا تو کاہن ہوسکتا ہے یا شاعر، یا جادوگر یا دیوانہ، بہرحال وہ آپ کی نبوت کا اعتراف نہ کرتے تھے۔ اس لیے اتمام حجت کے لیے ان سے کہا گیا کہ اگر تم کو شبہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے تو ایسی کوئی سورت یا اس کی جیسی کوئی عبارت تم بھی بنالاؤ۔ اور ساتھ ہی چیلنج بھی دے دیا گیا کہ تم سب مل کر بھی اس کوشش میں کامیاب نہ ہوسکو گے۔ چنانچہ سب مدعیان فصاحت اپنی اپنی کوششوں میں ناکام ہوکر رہ گئے اور جب ان چند کلمات میں اعجاز فصاحت وبلاغت کا مشاہدہ کیا، " انا اعطینک الکوثر ، فصل لربک وانحر ۔ ان شانئک ھو الابتر ۔ تو ماننا پڑا ، ماھذا قول البشر ۔ " نتیجہ یہ ہوا کہ سبعہ معلقات جو معجزات فصاحت سمجھے جاتے تھے۔ کعبہ کے دروازہ سے اتارلیے گئے اور شعرائے عرب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

سیرت نبوی کا یہ وہ پہلو ہے جس سے کہانت کا اس طرح ابطال ہوگیا جس طرح اعجاز موسوی سے جادو کا اور شعر کی اصلاح کی ایسی بنیاد پڑی جیسی تن بیمار کی اعجاز مسیحائی سے کہانت کا دارومدار چونکہ قرائن وقیاس پر تھا جو اکثر غلط ہوجاتے تھے اور چونکہ اس قسم کی اوہام پرستی کا قوت عمل پر مہلک اثر پڑتا تھا، اس لیے اس کا تو تختہ ہی الٹ دیا گیا اور کاہنوں کو بلا استثناء ناقابل

اعتبار اور ان میں سے اکثر کو جھوٹا کہہ دیا گیا ۔ لیکن شاعری چونکہ بیکار چیز نہ تھی ، بلکہ اس فن کا استعمال غلط کیا جاتا تھا ، شعرائے جاہلیت آپس میں ایک دوسرے کو بھڑکانے اور آپس میں لڑانے کیلئے اپنا سارا زور کلام صرف کرتے تھے ، اور خودکسی زندگی کے اصول کے پابند نہ ہوتے تھے ، اس لیے ان کی اس قسم کی لاابالی اور بے عمل زندگی کے مقابلے میں ایک راہ عمل بناکر سمجھا دیا گیا کہ جو اس راہ پر چلیں گے اچھے شاعر سمجھے جائیں گے ۔

ایک شبہ :- سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شعر سے یہ علاقہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے ۔ لیکن بعض قرینے ایسے بھی ہیں ، جن سے شعر کی نسبت مخالف و موافق دونوں پہلو نکلتے ہیں ۔ مثلاً قرآن کریم کا یہ ارشاد : " وما علمنه الشعر وما ینبغی له ٥ ان هوالاذکر وقرآن مبین ٥ لینذر من کان حیاً ویحق القول علی الکافرین "۔ واضح کرتا ہے کہ :- (۱). آپ کو شعر کا علم نہیں دیا گیا ۔ (۲). نہ یہ علم آپ کے لائق تھا ۔ (۳). بلکہ آپ کا منصب تو تعلیم قرآن اور تبلیغ احکام دین تھا ۔ (۴). تاکہ ہر ایسے شخص کو جو زندہ ہو ، یعنی جس میں ہدایت پانے کی صلاحیت ہو ، پاداش عمل سے ڈرائیں اور اگر کوئی آپ کی بات نہ بھی مانے تو کم سے کم اس پر حجت پوری ہوجائے ، تاکہ وہ یہ نہ کہہ پائے کہ مجھ سے تو کسی نے حق بات کہی ہی نہ تھی ، اس قرینے سے شعر کا منافی منصب نبوت اور خلاف منشائے ہدایت ہونا پایا جاتا ہے ۔ (۵). اس کے علاوہ شاعروں کو گمراہوں کا پیشوا کہنا (الشعراء یتبعهم الغاوون) اور آپ کا ایسے لوگوں کا رہنما ہونا جن میں ہدایت پانے کی صلاحیت ہو (لینذر من کان حیاً) ایسا قرینہ ہے جس سے مذکورہ بالا نظریئے کی تائید ہوتی ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ شعر اور نبوت میں وہی تقابل ہے جو ضلالت اور ہدایت میں ہے ۔

دوسرا نظریہ :- دوسرا نظریہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں نفس شعر کی مذمت نہیں ہے ، بلکہ ان شعراء کی مذمت ہے جو شعر کا غلط استعمال کرتے ہوں ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

" والشعراء یتبعهم الغاوون ٥ الم ترانهم فی کل وادیهیمون ٥ وانم یقولون مالایفعلون ٥ الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات وذکروا اللّٰه کثیراً وانتصروا من بعد ماظلموا وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ٥ " ان آیات سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں :

(۱). شاعروں کی پیروی وہ کرتے ہیں جو بے راہ ہوتے ہیں ۔ (۲). شاعر ہر میدان میں بھٹکتے پھرتے ہیں ۔ (۳). شاعروں کے قول و فعل میں مطابقت نہیں ہوتی ۔ (۴). البتہ ان شاعروں میں سے وہ

مستثنیٰ ہیں جو ایمان اور حسن عمل سے متصف ہیں۔ بیشتر یاد الہیٰ میں مصروف رہتے ہیں اور اگر ان پر ظلم ہوتا ہے تو اس کی مدافعت کرتے ہیں۔ (خود ظلم نہیں کرتے) یعنی کوئی اگر شعر کے ذریعہ سے ان کی مخالفت یا ہجو وغیرہ کرتا ہے تو ہی وہ اس کا جواب شعر سے دیتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شعر کا عیب وصواب شاعر کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ نہ کہ نفس شعر کی طرف۔ چنانچہ امرا القیس کو جو دور جاہلیت کا جلیل القدر شاعر تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے " اشعر الشعراء وقائدهم الی النار " فرمایا اور حضرت حسان بن ثابتؓ کی نسبت جو عہد رسالت کے شاعر تھے، ارشاد ہوا " انّ اللہ یؤید حسانًا بروح القدس " لہذا یہ بات ثابت ہوگئی کہ ازروئے قرآن وحدیث شعر میں فی نفسہ کوئی عیب نہیں ہوتا۔ جیسا شاعر ہوتا ہے ویسا ہی شعر ہوتا ہے۔ لیکن شبہ یہ ہوتا ہے کہ جب شعر میں فی نفسہ کوئی قباحت نہ تھی، جس کے لیے ایمان والوں کو اجازت ہوئی تو پھر کیا وجہ تھی کہ اس فن کو شائستہ نبوت نہ سمجھا گیا اور اگر یہ فن محل قباحت ہونے کی وجہ سے یعنی اس وجہ سے آپ کے لائق نہ تھا کہ عموماً شعر میں جھوٹی اور بے سروپا باتیں کہی جاتی ہیں اور شاعر اکثر بے عمل ہوتے ہیں، تو جب ان عیوب کے نہ ہونے پر اہل ایمان عام شعراء سے مستثنیٰ کردیئے گئے تو آپ بسبب سرچشمہ ایمان وہدایت ہونے کے بدرجہ اولیٰ مستثنیٰ ہوسکتے تھے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شعر میں شعراء کے مذکورہ عیوب کے علاوہ فی نفسہ کوئی نہ کوئی بات ایسی بھی ہے جو منافی منصب نبوت اور خلافت منشائے ہدایت ہو پھر سیرت نبویؐ سے شعر کی اصلاح اور ترقی کیا معنی؟

<u>شعر کی حقیقت</u>:- اس شبہ کو رفع کرنے کی غرض سے اول ہم کو شعر کی حقیقت پر ایک تفصیلی نظر ڈالنا چاہئیے۔ دراصل شعر کلام کی اس مخصوص ترتیب کا نام ہے، جس کے لفظوں میں اصول موسیقی کی تصویر اور معنی میں جذبات انسانی کی تاثیر پائی جائے۔ شعر کے اجزائے ترکیبی چار ہیں: (۱) لفظ (۲) معنی (۳) وزن (۴) قافیہ۔ غالباً ہمیشہ ہر جگہ انہی عناصر اربعہ پر شعر کی بنیاد ہی ہے آج کل جو شعر کی نئی نئی تعریفیں سننے میں آتی ہیں، انہی اجزاء میں سے کسی نہ کسی کی تفصیل یا تحلیل ہوتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: (۱). دلکش الفاظ کا مجموعہ شعر ہے۔ (۲). حسن معانی کا اثر شعر ہے (۳). کلمات کی متناسب الحرکات ترتیب شعر ہے۔ (۴). مشترکہ جزو کلمات کی تفصیل تکرار شعر ہے۔ (۵). کبھی ان تمام تعریفوں کو جمع کرکے کہا جاتا ہے کہ شعر ایسے بامعنی الفاظ کا مجموعہ ہوتا ہے، جس میں وزن اور قافیہ پایا جائے۔ (۶). کچھ اس پر اضافہ اور کیا جاتا ہے کہ ایسا کلام جو ارادہ سے کہا گیا ہو تو وہ شعر ہے ورنہ نہیں۔ کبھی بطریق تفریق اس میں سے بعض اجزاء کی نفی کی جاتی ہے۔ مثلاً شعر

کے لیے ارادہ ضروری نہیں ۔ (۲). شعر کے لیے نہ ارادہ ضروری ہے نہ قافیہ (۳). شعر وزن کا محتاج نہیں ہے ۔ (۴). شعر کسی معنی یا مفہوم میں مقید نہیں ہوسکتا ۔ (۵). شعر کے لیے لفظ کی بھی قید نہیں ہے، محسوسات بھی شعر ہوسکتے ہیں ۔ (۶). ان آزادیوں کو دیکھتے ہوئے اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ شعر کو بھی شعر نہیں کہا جاسکتا ۔

شعر کی تعریف :- جو لوگ شعر کو لفظ ، معنی ، وزن اور قافیہ کی قید سے آزاد کہنا چاہتے ہیں ان کا خیال ہے کہ شعر چونکہ شعور سے مشتق ہے اس لیے ہر وہ چیز جو کسی قسم کا معین یا غیر معین شعور پیدا کرے ۔ شعر ہوگی ۔ مثلاً مرئیات ، مشمومات ، مسموعات ، مذوقات ، ملموسات ، متخیلات ، تموہمات ، متمیزات وغیرہ سب شعر ہیں ۔ پانی کی صفائی ہو یا کیچڑ کا میلا پن ، گلاب کی خوشبو ہو یا کھاد کا تعفن ، بلبل کا ترانہ ہو یا الو کی آواز ، آم کی شیرینی ہو یا اندر ائن کی تلخی ، پھول کی نرمی ہو یا یا کانٹے کی خلش سب شعر ہیں ، جن سے کوئی خوشی یا رنج ، رحم یا غصہ ، ہمت یا ڈر یا اور کسی قسم کا تاثر پیدا ہو ۔ اس نظریہ کی رو سے شعر صرف احساس کا نام ہے ۔ اظہار اس میں شامل نہیں ۔ لیکن چونکہ یہ ممکن ہے کہ ایک چیز سے ایک طبیعت متاثر ہو دوسری نہ ہو یعنی وہ چیز کسی کے لیے شعر ہو کسی کے لیے نہ ہو ، اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز سے کسی وقت ایک ہی طبیعت متاثر ہو ، کسی وقت نہ ہو ، یعنی وہی چیز کبھی شعر ہو کبھی نہ ہو ، اس لیے اس تعریف سے شعر متعارف نہ ہوگا اور ضرورت ہوگی اس میں احساس کے ساتھ اظہار بھی شامل ہو ، لیکن چونکہ احساسات کی طرح اظہار کے ذریعے بھی متعدد ہیں اور ہر ذریعہ اظہار کو شعر کہنے میں وہی دشواری ہے جو ہر احساس کو شعر کہنے میں تھی ۔ اس لیے شعر کے تعین کی غرض سے کوئی ایسا ذریعہ اظہار تسلیم کرنا پڑے گا جو شعور سے ناشی ہو اور دوسروں میں شعور پیدا کرے اور ظاہر ہے کہ یہ ذریعہ الفاظ ومعانی یعنی کلام ہی کا ہے پھر چونکہ جنس کلام کا اطلاق اس کی ہر نوع پر ہوتا ہے یعنی جس نوع کو شعر فرض کیا جائے وہ بھی اور جس کو شعر فرض نہ کیا جائے وہ بھی دونوں برابر کلام ہیں اس لیے یہ تعریف بھی کہ شعر ایسا کلام ہے جس سے اظہار احساس ہو ، کافی نہ ہوگا بلکہ اس کے ساتھ کسی ایسی قید کی اور ضرورت ہوگی جس سے شعر کی صورت نوعیہ متعین ہوتی ہے ۔ قافیہ بھی اس کی کمی پوری نہیں کرسکتا ۔ اس لیے کہ قافیہ شعر کا زیور تو ضرور ہے لیکن نفس شعر میں داخل نہیں ہے اور یہ مسلم ہے کہ نہ قافیہ کے اضافے سے نثر پر شعر کا اطلاق درست ہوسکتا ہے ، نہ قافیہ کی کمی سے شعر میں فرق آتا ہے ۔ خلاصہ کلام یہ کہ جب تک کلام میں وزن تسلیم نہ کیا جائے گا ، شعر کا مصداق سمجھ میں نہ آئے گا اور شعر کی سب سے زیادہ محکم اور جامع ومانع تعریف یہی ہوگی کہ کلام موزوں کو شعر کہا جائے) ۔

وزن شعر کا جزو لاینفک ہے:- کسی قوم کی شاعری وزن کی قید سے خالی نہیں پائی جاتی۔ یہ بات ہے کہ زمین کے فاصلے زبانوں کے اختلاف اور زمانوں کے انقلاب سے شعر کی صورت مختلف نظر آئے اور ایک ملک کا شعر دوسرے ملک میں ناموزوں سمجھا جائے، مثلاً قدیم ہند کے علوم و فنون خاص کر مذہبی کتابوں کا وہ ذخیرہ جو نظم میں ہے اور جس کی سب سے پہلی اور بڑی کتاب "وید" ہے۔ اس کو پڑھ کر یا سن کر ایران و عرب میں کوئی موزوں نہیں کہہ سکتا، بلکہ خود ہندوستان کی موجودہ شاعری کے اصول اب اس سے مختلف ہو چکے ہیں۔ قدیم ایرانی شاعری کا وہ دفتر جو "گاتھا" اوستا" اور "ژند" کے اوراق میں دستیاب ہوا ہے، وہ موجودہ فارسی شاعری کے لحاظ سے بالکل ناموزوں نظر آتا ہے۔ حالانکہ ان کتابوں کا نظم ہونا مسلم ہے۔ اسی طرح عبرانی شاعری کے وہ نمونے جو "اناشید" اور مزامیر داود علیہ السلام" کی صورت میں موجود ہیں، ان کے نظم ہونے کا دعویٰ ان کے نام، ان کی ترتیب کلام اور تاریخی شہادت سے ثابت ہے۔ لیکن ان کو نہ موجودہ عروض عرب کی رو سے شعر کہہ سکتے ہیں نہ مغرب و مشرق کے کسی اور اصول شعر کے لحاظ ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے باوجودیکہ ہر ملک میں تناسب اعضاء کا نام ہی حسن ہے لیکن معیار تناسب میں ملک تو ملک ایک جگہ کے دو آدمیوں کا مکمل اتفاق بھی نہیں ہوتا۔ چین میں جس ناک نقشہ کو حسن کہا جاتا ہے، ہندوستان میں اس کو بدصورتی سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ ہمارا ہر روز کا مشاہدہ ہے کہ ایک شخص جس صورت کا دیوانہ ہے، دوسرے کو اس میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔ وہ یہی کہتا ہے:

سودا جو ترا حال ہے ایسا تو نہیں وہ   کیا جانیے تو نے اسے کس حال میں دیکھا

اسی طرح شعر جو کلام متناسب کا نتیجہ ہے، اگر اس کا موجودہ معیار تناسب گذشتہ سے اور ہندوستان کا انگلستان سے پایا جائے تو یہ نہیں کہا جاسکتا زمانہ قدیم میں شعر نہ تھا، اور اگر تھا تو اس میں وزن نہ تھا۔ یا انگریزی شاعری جو ہمارے اصول سے مختلف ہے ناموزوں ہے۔

شعر کا ماخذ نغمہ ہے:- اس کے علاوہ یہ امر مسلم ہے کہ شعر کی فطرت میں نغمہ مضمر ہے اور چونکہ نغمہ کا دارومدار صرف آواز پر ہوتا ہے، اس لیے شعر اس توازن سے خالی نہیں ہوسکتا، بلکہ شعر کا وجود اصل نغمہ پر اسی طرح مبنی ہوتا ہے جس طرح لفظوں کا وجود آواز پر۔ انہی اوزان غنائی کے مطابق شعر کے اوزان بنتے ہیں اور بدلتے رہتے ہیں۔ انہی اوزان کے اختلاف کی وجہ سے کبھی کلام موزوں ناموزوں اور ناموزوں موزوں نظر آتا ہے مثلاً موجودہ اردو شاعری کا یہ اصول ہے کہ

شعر کے دونوں مصرعہ برابر ہوں لیکن انگریزی میں کبھی دونوں مصرعہ برابر ہوتے ہیں، کبھی ایک مصرعہ ایک انچ اور دوسرا مصرعہ سات انچ کا۔ اس کی مثال عربی شاعری میں بھی پائی جاتی ہے۔ جہاں یک رکنی دورکنی شعر بھی ہیں اور کئی کئی رکن کا ایک مصرعہ بھی۔ اس کو اردو کی شاعرانہ طبیعت موزوں نہیں سمجھتی۔ لیکن بہ حیثیت فن اس کی موزونیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

رفع اشتباہ :- ان سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ جن اجزاء سے شعر مرکب ہوتا ہے، ان میں سے الفاظ کا وزن ہی ایسا جزء ہے، جس سے کلام میں شعر اور غیر شعر کا امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ یہ شعر کا بیرونی پہلو ہے۔ دوسرے ہر حال اور ہر خیال جس سے جذبات انسانی کو تحریک ہو، شعر ہے۔ یہ شعر کا اندرونی پہلو ہے۔ جسکو عموماً شعریت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی سے ضمناً یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شعر کے اجزائے ترکیبی جواب ہیں وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی تھے، بلکہ کم وبیش ہمیشہ انہی پر شعر کا انحصار رہا ہے۔ ان سے نفس شعر کا تعلق فطرت سے ہے اور اسکی صورت کا صنعت سے۔ فطرت کا کونسا راز ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف نہ ہوا ہو۔ لیکن صنعتیں بے شمار ہیں جن سے آپکو سروکار نہ تھا۔ من جملہ ان کے ایک صنعت شعری بھی ہے جس کا آپکو علم تو تھا، یعنی آپ کی طبیعت میں شعریت تو تھی، لیکن آپ شاعر نہ تھے۔ اور نہ یہ فن آپکے لائق تھا۔ اس لیے کہ اول تو الفاظ کی موزونیت ہو یا تخیل کی پرواز، فن شعر ہر حالت میں انسان کی کوشش اور صناعت سے متعلق ہے اور نبوت انسانی کوشش سے بالاتر مرتبہ ہے، جسکی اصل فطرت حق ہے۔ ایسی صورت میں اگر آپ شاعر ہوتے اور دین فطرت صنعت کا لباس پہن لیتا تو دنیا کی نظر میں وہ بھی مصنوعی بن کر رہ جاتا۔ پھر یہ بھی کہ شعر کا مقصد تحریک جذبات ہے اور نبوت کا منشاء تہذیب جذبات، اگر آپؐ کا دستور العمل موعظت وحکمت کے بجائے شعر وشاعری ہوتا یعنی آپ کا پیغام صرف محرک جذبات ہوتا، مفید تعقل نہ ہوتا تو اصلاح نفس اور احقاق حق کا نتیجہ برآمد نہ ہوتا، جسکی صراحت قرآن کریم میں آپ کی ذات سے شعر کی نفی فرماکر ان لفظوں میں کی گئی ہے کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ تو ذکر حق اور قرآن یعنی نصاب دین ہے تاکہ ہر ایسے شخص کو ڈرائیں جس کا دل زندہ ہو اور جو منکر ہوں، ان پر حق ثابت ہوجائے۔ تیسرے آپ کا منصب صرف یہ تھا کہ جو احکام آپ پر نازل ہوں وہ بعینہ لوگوں کو پہنچادیں۔ اپنی طرف سے کچھ نہ کہیں۔ جیسا کہ شاعروں کا طریقہ ہوتا ہے۔ اگر آپ شاعر ہوتے تو قرآن کو بھی انسانی خیالات اور حسن تفکر کا نتیجہ سمجھ لیا جاتا۔ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا تھا۔ تو بھی آپ کا شاعر ہونا کس کام آتا۔ جبکہ قرآن کے علاوہ بھی احکام دین میں آپکے تخیل یا تفکر اور جذبات کا

بالکل دخل نہ تھا، بلکہ آپ صرف وہی بات فرماتے تھے جو بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہوتی تھی، جسکی وضاحت قرآن میں اس طرح فرمائی گئی: "وما ینطق عن الهوی ٥ ان هو الاوحی یوحی ٥" اسی لیے فن شعر آپ کے کسی کام کا نہ تھا۔

لیکن اس کا نتیجہ یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ کے لائق نہ ہونے کی وجہ سے فن شعر سرے سے معیوب ہوجائے اور کسی کو بھی شعر کہنا جائز نہ ہو، اس لیے کہ اول تو یہ ضروری نہیں کہ جو امر آپ کے لیے مناسب نہ ہو وہ کسی کے لیے بھی مناسب نہ ہو، یا جو بات آپ کو روا ہو وہ سب کے لیے روا سمجھی جائے۔ مثلاً آپ کسی کے شاگرد نہ تھے، نہ کسی کی شاگردی آپ کو زیبا تھی، تو اس کا نتیجہ یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی کا شاگرد ہونا کسی کو زیبا نہ ہو۔ اس لیے آپ تو براہ راست سرچشمہ علم سے فیضیاب ہوتے تھے۔ اس لیے آپ کو کسی کی شاگردی نہ ضروری تھی نہ مناسب۔ لیکن جو لوگ اس مرتبہ پر فائز نہیں ہوتے ان کو اکتساب علم کے لیے کوئی نہ کوئی ذریعہ اختیار کرنا ضروری ہوگا۔ اس لیے کہ اکتساب کی ہدایت قرآن وحدیث میں موجود ہے، اسی طرح اگر حامل وحی ہونے کی وجہ سے آپ کے لیے شاعری مناسب نہ تھی، تو جن پر وحی نہ آتی ہو ان کے لیے یہ فن نازیبا یا بیکار نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس کی اجازت موجود ہے۔ پھر شعر کو فی نفسہ معیوب، موجب غوایت یا منافی ہدایت کس طرح کہا جاسکتا ہے، بلکہ اس جہت سے تو سرکار دوعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعر کو ایسا نوازا کہ قرآن کریم میں شعر کی ذاتی صلاحیت کی بناء پر اس فن کا اچھا یا برا استعمال کرنے والوں کی جو اصولی تقسیم کی گئی تھی، اسکی وضاحت اس طرح فرمائی کہ ان من الشعر لحکمۃ یعنی ہر شعر موجب غوایت نہیں بلکہ بعض شعر سراسر حکمت بھی ہوتے ہیں، تاکہ شعر کے فی نفسہ معیوب ہونے کا اندیشہ یا شبہ ہی نہ رہے۔

شعر اور حکمت:- حکمت دراصل قول وفعل کی راستی کو کہتے ہیں اور اصطلاحاً نفس انسانی کا علم وعمل میں امکانی کمال حاصل کرنا اور جو مختلف قوتیں فطرت نے اس کو دی ہیں، ان کو اعتدال کے ساتھ عمل میں لانا حکمت ہے۔ لیکن چونکہ صحیح اعتدال مزاج کا ہر شخص کو علم نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ وہ مرتبہ کمال ہے جس پر حضرات انبیاء علیہم السلام تائید الہیٰ سے فائز ہوتے ہیں، اس لیے حکیم کامل دراصل نبی ہوتا ہے۔ جس کا منصب یہ ہوتا ہے کہ جو ہر نفس کی ایسی حفاظت کرے جس سے اس کی جملہ قوتوں میں خواہ وہ نظری ہوں یا عملی افراط وتفریط سے خلل نہ واقع ہو، بلکہ ہر قوت دوسری قوت کی اس طرح مدد کرتی رہے کہ ان کے باہمی امتزاج سے نفس میں وہ کیفیت

متوسط پیدا ہوجائے جس کو عدالت کہتے ہیں اور جس پر نفس کی صحت کا دارومدار ہے اور اگر صحت نفس میں فرق آئے تو وہ اس کو بحال کرنے کی تدبیر کرسکے اور اس طرح اس جوہر شریف کو شریف سے شریف تر بناکر خلافت الہیٰ اور حیات ابدی کا مستحق بنادے۔ اس مقصد یعنی صحیح اعتدال مزاج کے قائم رکھنے یا حاصل کرنے کے لیے حکیم کامل جو اصول تجویز کرتا ہے ان کا ضمنی نتیجہ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ نفس کے بعض خاصوں یا ان کے عواطف میں جن کو جذبات یا واردات قلب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایک قسم کی غیر معتدل حرکت یا سکون پیدا ہوجائے جو دراصل شاعر کا نصب العین ہوتا ہے یعنی جس طرح حکمت کا اصل منشاء تہذیب قوائے انسانی ہے اور اس کے احکام سے ضمناً بعض جذبات کا برانگیختہ ہونا اور بعض کا افسردہ ہونا ممکن ہے۔ اسی طرح اگرچہ شعر کا مطمح نظر جذبات انسانی کو مشتعل یا مضمحل کرنا ہوتا ہے، لیکن ضمناً اس سے اصلاح نفس کا نتیجہ بھی برآمد ہوتا رہتا ہے۔ شعر کا یہی پہلو ہے جس کو دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شریک حکمت ہونے کی سند ملی ہے۔ اگر شعر کی اس فطری صلاحیت میں شاعر کا ارادہ بھی شامل ہوجائے تو ایسا شاعر " الشاعر تلامیذ الرحمن " کا مصداق ہوجاتا ہے۔

پردۂ رازے کہ سخن پروریست ۔۔۔ سایہ از پردہ پیغمبر یست

اسی وجہ سے دربار رسالت میں شعراء کی وقتاً فوقتاً حوصلہ افزائی فرمائی جاتی تھی۔

آپ ؐ کا ذوق سخن:- جس طرح یہ مسلّم ہے کہ آپ نے کبھی شعر نہیں کہا، نہ شعر کہنا آپ کو زیبا تھا۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کو شاعرانہ کلام سے دلچسپی تھی، شعر سنتے تھے، شعر پر تنقید فرماتے تھے، شعراء کی حوصلہ افزائی کے لیے مناسب دادوانعام دیتے تھے۔ آپ کی خدمت میں جمع ہوکر شعراء مشاعرے کرتے تھے اور کبھی کبھی زبان مبارک سے ایسے کلمات ادا ہوتے جو شعر سے مشابہ ہوتے۔ کبھی کبھی کسی شاعر کا کلام بھی آپ کی زبان پر آجاتا تھا، چنانچہ شمائل ترمذی میں " صفة کلام رسول الله فی الشعر " کے عنوان سے ایک باب اسی قسم کی احادیث کا ہے جس میں سے چند نمونے یہ ہیں:

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مثال دینے کیلئے اکثر ابن رواحہ کے شعر پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ؐ نے فرمایا " شعرائے عرب میں لبید نے کیا ہی بہتر (اشعر کلمة) کہا ہے: " الاکل شئی ما خلا الله باطل " ایک مرتبہ پتھر کی چوٹ سے حضرت ؐ کی ایک انگلی زخمی ہوگئی اور خون بہہ نکلا آپ نے فرمایا:

هل انت الا اصبع دميت وفى سبيل الله مالقيت

فتح مکہ کے بعد بنی ہوازن اور بنی ثقیف وغیرہ آس پاس کے چند قبائل جمع ہوکر چاہتے تھے کہ مسلمانوں پر امن کی بے خبری کی حالت میں حملہ کردیں ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوگئی ۔ آپ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت لے کر ان کے مقابلہ کےلئے بڑھے ۔ فریقین کے دلوں کی یہ حالت تھی کہ ایک طرف مسلمانوں کو اگرچہ اپنی جمعیت پر ناز تھا ، لیکن یہ بھی مانے ہوئے تھے کہ اہل ہوازن کے تیر خطا نہیں کرتے ۔ دوسری طرف اہل ہوازن کو اپنی تیراندازی پر ناز تو تھا مگر یہ بھی اندیشہ تھا کہ عبدالمطلب کا وہ خواب اسی وقت صحیح نہ ہوجائے کہ رسول ؐ اللہ آخر کار ہم پر غالب آجائیں گے ۔ بہرحال دونوں طرف کے ان امید وبیم کے جذبات کے ساتھ مقابلہ ہوا ۔ بنی ہوازن نے اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے ۔ صورت حال کا اندازہ لگاکر حضور پاک ؐ اپنی فوج کو جمع کرتے جاتے تھے اور آگے بڑھتے ہوئے فرماتے تھے :

انا النبی لاکذب انا ابن عبدالمطلب

یہ سن کر ایک طرف تو مسلمانوں کو جوش آیا کہ جب نبی برحق ؐ ہمارے ساتھ ہیں پھر ہم کو کیا خطرہ ہے ۔ دوسری طرف کفار کا دل ہل گیا کہ عبدالمطلب کے خواب کے پورا ہونے کا وقت آگیا اور ابن عبدالمطلب ہمارے سر پر آن پہنچا غرض زبان مبارک سے جو کلمات نکلے وہ دونوں طرف کے دلوں میں پیوست ہوگئے اور لڑائی کا نقشہ فوراً بدل گیا ۔

عمرۃ القضا کے سال آپ مکہ تشریف لائے جس وقت حرم میں داخل ہوئے تو ابن رواحہ ؓ آگے چلتے اور شعر پڑھتے جاتے تھے ۔ حضرت عمر ؓ نے کہا " ابن رواحہ ؓ تم حرم میں شعر پڑھتے ہو اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے " آپ ؐ نے فرمایا " عمر ! اسے چھوڑ دو ! واقعی ان لوگوں میں شعر پڑھنا تیر برسانے سے زیادہ کارگر ہوتا ہے ۔ آپ کے سامنے صحابہ ؓ آپس میں شعر پڑھتے اور جاہلیت کی بعض باتوں کا تذکرہ کرتے تو کبھی آپ چپ رہتے کبھی مسکراتے ۔ عمر بن شرید کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے سنا وہ کہتے تھے ۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر بیٹھ کر کہیں گیا اور امیہ بن ابی الصلت کے سو شعر آپ کو سنائے ۔ جب کوئی شعر پڑھتا آپ فرماتے ہاں ! (اور سناؤ) یہاں تک کہ میں نے سو شعر سنائے ۔ آپ ؐ نے فرمایا " قریب تھا کہ امیہ مسلمان ہوجاتا ۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں : کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان ؓ بن ثابت کے لیے مسجد میں منبر بچھواتے جس پر حضرت حسان ؓ کھڑے ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم پر فخر کرتے اور جو آپ پر اعتراض ہوتے، ان کا جواب دیتے۔ آپ ارشاد فرماتے کہ جب تک حسانؓ کافروں کا اس طرح مقابلہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ روح القدس کے ذریعے ان کی مدد کرتا ہے۔ ان کے علاوہ شعر و شاعری کی نسبت اور احادیث بھی پائی جاتی ہیں، جیسے یہ واقعہ کہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں سب سے پہلا کام جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا وہ مسجد کی تعمیر تھی۔ مزدوروں کے ساتھ آپ خود بھی کام کرتے تھے۔ عبداللہ بن رواحہ جو شاعر تھے، وہ بھی مزدوروں کے ساتھ شریک تھے اور جس طرح مزدور کام کے وقت تھکن مٹانے کو گاتے جاتے ہیں وہ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

افلح من يعالج المساجدا

ويقرء القرآن قائما وقاعدا

ولا يبيت الليل عنه راقدا

وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے اور رات کو جاگتا رہتا ہے)

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے۔" اسی سلسلے کا ایک دوسرا واقعہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نقل کیا گیا ہے۔ مسجد کی تعمیر جاری ہے۔ حضورؐ (فداہ ابی وامی وروحی) مزدوروں کے ساتھ شریک مشقت ہیں۔ صحابہؓ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے ہیں اور رجز پڑھتے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ آواز ملاتے ہیں اور فرماتے ہیں: " اللهم لاخير الا خير الاخرة فاغفر الانصار والمهاجرة "

(اے خدا! کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے۔ اے خدا! مہاجرین اور انصار کو بخش دے، بخش دے)۔ یہ وہ اسباب تھے جن سے شاعری کا نیا دور شروع ہوا۔ اور جنکی وجہ سے ابتک دنیائے ادب میں اسلامی شاعری کا ڈنکا بج رہا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر الصدیق، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن زہیر، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور بہت سے صحابہ کرامؓ اور صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنھم اور اکابرین امتؒ نے شعر کہے، جن میں سے دور اولیں میں حضرت علیؓ کا دیوان، حضرت حسان بن ثابتؓ کے بہت سے اشعار حضرت کعب بن زہیر کا قصیدہ " بانت سعاد" جس پر حضور اکرمؐ نے اپنی چادر (بردہ) انعام میں مرحمت فرمائی تھی۔ کافی مشہور ہیں۔ حضرت امام زین العابدینؒ کا وہ قصیدہ تو زبان زد خاص وعام ہے جس کا مطلع ہے۔

ان نلت یاریح الصبا یوماً الی ارض الحرم

بلغ سلامی روضةً فیها النبی المحترم

(اے باد صبا! اگر کسی دن حرم کی طرف تیرا گذر ہوجائے تو روضۂ مبارک تک میرا سلام پہنچادینا ، جہاں نبی محترم علیہ الصلوۃ والسلام استراحت فرماتے ہیں) ۔

کتب عربی :-

(۱). الامام محمد اسماعیل بخاری الجامع للبخاری مطابع الشعب قاہرہ ۱۳۷۸ھ
(۲). امام مسلم الصحیح لمسلم مطابع الشعب قاہرہ ۱۳۷۹ھ
(۳). امام ابو عیسیٰ ترمذی شمائل ترمذی
(۴). علامہ ابن خلدون مقدمہ ابن خلدون
(۵). حماد الراویہ المعلقات السبع دارصادر بیروت ۱۹۵۸ء
(۶). اسیرادروی المقدمہ لشرح دیوان المتنبی مکتبہ حسینیہ دیوبند ۱۹۸۳ء
(۷). سید محمد رابع الحسنی الندوی منثورات من ادب العرب ندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۴۱۱ھ
(۸). عبداللطیف حمزہ ادب المقالۃ الصحفیۃ فی مصر دارامعارف مصر
(۹). ابن قتیبہ الشعروالشعراء (مرتبہ احمد محمد شاکر) مصر
(۱۰). ڈاکٹر غنیمی الهلال النقد الادبی الحدیث بیروت
(۱۱). محمد ابوالفضل ابراہیم دیوان امراء القیس دار معارف مصر

اردو کتب :-

(۱). علامہ شبلی نعمانی سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
(۲) مولانا ابوالحسن علی الندوی رسول رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم)مکتبہ تحقیق ونشریات اسلام ، لکھنؤ
(۳). سید جہانگیر گیلانی شعر چیست ؟ مکتبہ مجیدیہ ، ملتان ۱۹۵۰ء
(۴). علامہ شبلی نعمانی شعرالعجم
(۵). محمد رفیع سودا کلیات سودا ترقی اردو بیورو ، نئی دہلی ۸۵ ۔ ۱۹۸۴ء
(۶). شمس بریلوی سرورکائنات کی فصاحت
(۷). مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی ۔ شعرالہند (جلداول) مکتبہ معارف ، اعظم گڑھ ۱۹۸۷ء
(۸). اکبرشاہ خاں نجیب آبادی تاریخ اسلام مکتبہ نعیمیہ دیوبند
(۹). مظفر علی اسیر زرکامل عیار (ترجمہ) معیارالاشعار از نصرالدین محقق طوسی ، اترپردیش ،

اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۳ء

(۱۰) مسعود حسن رضوی ادیب ہماری شاعری کتاب نگر، لکھنؤ ۱۹۸۷ء

(۱۱) وئیس احمد نعمانی فکر ونظر (آج کی ایرانی شاعری) ج: ۲۳۔ شمارہ ۲ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۱۲) استاذ احمد حسن زیات (ترجمہ اردو) تاریخ ادب عربی، ڈاکٹر سید طفیل احمد مدنی،

ایوان کمپنی، الہ آباد، ۱۹۸۵ء

آیات واحادیث کے اردو ترجمے:۔

(۱) انا الایۃ " (اے پیغمبرؐ) ہم نے آپ کو (حوض) کوثر عطا کیا ہے۔ تو آپ اپنے رب کے لیے ہی نماز پڑھیں اور قربانی کریں " الکوثر (۱۰۸، ۱، ۲، ۳)

(۲) یہ کسی آدمی کا کلام نہیں۔ یہ جملہ سبعہ معلقہ میں شامل ایک شاعر کا ہے۔ لطف یہ ہے کہ اس جملے کے اوزان اور ترتیب الفاظ قرآن سے بہت کچھ مناسبت ہے اور فصاحت کلام کا بہترین نمونہ ہے مگر عربی داں واقف ہیں کہ اعجاز بلاغت میں یہ جملہ بھی قرآن کے ان جملوں کے کہیں پاسنگ نہیں۔

(۳) " اور ہم نے انہیں (پیغمبرؐ کو) شعر کا علم نہیں دیا اور نہ وہ آپ (کی شان) کے مناسب ہے۔ وہ تو محض ایک نصیحت اور ایک آسمانی کتاب ہے، جو احکام کو ظاہر کرنے والی ہے، تاکہ ایسے شخص کو ڈرادے جو زندہ ہو، اور تاکہ کافروں پر عذاب کی) حجت ثابت ہوجائے " (یٰس: ۳۶: ۶۹: ۷۰)

(۴) " اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ ہی چلا کرتے ہیں (اے مخاطب) کیا تمھیں معلوم نہیں کہ وہ (شاعر لوگ) تو (خیالی مضمون) کے ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ ہاں مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور انہوں نے اپنے اشعار میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور انہوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوچکا ہے (اس کا) بدلہ لیا اور عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہوجائے گا کہ جنہوں نے (حقوق اللہ وغیرہ میں) ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے " الشعراء ۲۶: ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے تفسیری حاشیئے میں ان موقعہ پر لکھتے ہیں " مراد راہ سے شعر گوئی ہے۔ یعنی مضامین خیالی شاعرانہ نثراً یا نظماً کہنا ان لوگوں کا شیوہ ہے جو مسلک تحقیق سے دور ہوں، چنانچہ خیالی مضمون کہتے ہی اس کو ہیں جو تحقیق کے خلاف ہو " (مولانا اشرف علی تھانوی، ترجمہ قرآن وتفسیری حاشیہ، بیان القرآن " ص: ۳۴۰، مطبع تاج کمپنی لمٹیڈ لاہور۔ (۵) " اور نہ آپ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں، ان کا ارشاد ایزدی وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے " النجم، ۵۳: ۳، ۴۔

(بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند مئی، جون ۱۹۹۷ء